ترقی پسند تحریک کے بعد کا اردو ناول

ترقی پسند تحریک میں 1960 کے بعد ٹھہراو آتا گیا اور اردو ادب کی تمام اصناف میں ایک بدلاو بھی آتا ہوا دکھائی دینے لگے۔ غزل، نظم، افسانہ، ناول سب پر اس اثر دکھائی دینے لگا۔ موضوعات بدل گئے۔ پہلے معاشرے کو پیش کرنے اور معاشرے کی برائیوں کو اجاگر کرنے پر زور تھا جو رفتہ رفتہ اپنی ذات پر مرکوز ہوتا چلا گیا۔ زبان سخت اور لہجہ پیچیدہ ہوتا چلا گیا۔ لوگ قاری کے بجاے صرف اپنے لیے لکھنے لگے۔ ایسے میں ادب عام قاری سے کٹ گیا اور اس کا زیادہ بڑا حصہ تو کچھ دنوں بعد بھلا دیا گیا۔ لیکن جن کی تخلیقی صلاحیت اچھی اور فن پر گرفت پختہ تھی وہ ان حالات میں بھی ایسا ادب لکھ رہے تھے جو پڑھا جا رہا تھا، مقبول تھا اور آج بھی اس پر گفتگو ہوتی ہے۔ ناول نگاری کے میدان میں ترقی پسند تحریک کے بعد جو لوگ ابر کر آئے اور اپنی پہچان قائم کی ان میں راجندر سنگھ بیدی، قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، ابو الفضل صدیقی، بلونت سنگھ، سہیل عظیم آبادی، جیلانی بانو، جوگندر پال، انور سجاد، قاضی عبد الستار وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔

جو گیندر پال کے ناول آمد و رفت (1975ء)، بیانات (1975ء)، بے محاورہ (1978ء)، بے ارادہ (1981ء)، نادید (1983ء) اور خواب رو (1993ء) ہیں۔ یہ بیانیہ ناول سے مختلف علامتی کرداروں والے ناول ہیں۔ اپنے ناولوں میں جو کردار پیش بھی کیے جاتے ہیں وہ بھی حقیقی نہیں ہوتے بلکہ علامتی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر نادید بھی کچھ ایسی نوعیت کی چیز ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ظاہری طور پر یہ چند نابیناؤں کی داستان ہے مگر جب آپ اس ناول میں اتر کر غائر مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کچھ نابینا بصیرت والوں سے زیادہ وسعت نظر رکھتے ہیں۔

جوگندر پال کو عوام کی طاقت و دانائی پر بہت بھروسہ ہے وہ عام انسانوں کی دگرگوں حالت دیکھ کر پریشان رہتے ہیں۔ ناول کی فنی اور جمالیاتی وقار کا سبب زبان و بیان کا خوش نما استعمال ہے۔ اس ذریعہ سے جوگندر پال اپنے کرداروں کے روحانی تجربات میں قاری اور خود کو بھی شامل کرتے ہیں وہ اپنے ناولوں میں انسانی صورت حال میں معنی کی نئی سمتوں کی جستجو کرتے ہیں۔

خوشیوں کا باغ اور جنم روپ انور سجاد کے ناول ہیں۔ انور سجاد کی شخصیت پہلو دار ہے۔ وہ پیشے کے اعتبار سے میڈیکل ڈاکٹر ہیں۔ نظریاتی وابستگی انہیں سیاست تک لے آئی۔ اسٹیج، ٹیلی وژن کی قوتِ اظہار سے واقف ہیں چنانچہ ڈرامانویس بھی ہیں اور کامیاب اداکار بھی۔ برش پر انگلیاں جمانے کا فن جانتے ہیں اور جدید افسانے کا ایک معتبر نام ہیں۔ وہ اپنی شخصیت اور روحِ عصر کے اظہار کے لیے تمام شعبوں میں یکساں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کی شخصیت کے یہ تمام پہلو ان کے فکشن میں کسی نہ کسی طرح ظاہر ہوئے ہیں۔ وہ اشیاء کو باطنی ویژن سے دیکھتے ہیں۔ استعارے اور علامتوں کی بھرمار سے انہوں نے مشاہدہ باطن کی دھندلی پرچھائیوں سے عصری حقیقت بیان کی ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں بیانیہ کی روایت سے گزیر کر کے ناول کے فن کو شاعری اور مصوری کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اس اعتبار سے اردو ناول نویسی میں ان دونوں کو تجرباتی ناول کہہ سکتے ہیں۔ انور سجاد کا اسلوب منفرد ہے۔ عہد، مقام اور کہانی کی ٹوٹ پھوٹ ان کے افسانوں کی طرح ان کے ناولوں میں بھی عیاں ہے۔ اس بات کی صراحت شمیم حنفی اور دیگر عہد حاضر کے بڑے بڑے نقادوں نے کی ہے۔ انور سجاد کا تعلق ترقی پسند تحریک سے رہا ہے یا نہیں اس سے غرض نہیں مگر وہ انسانی فلاح و بہبود کے لئے سماجی اور سیاسی دونوں اعتبار سے اپنے آپ کو

لگائے رکھتے ہیں۔ اس بات کی تصدیق ان کی ناول نگاری سے ہوتی ہے۔ وہ بگڑے ہوئے سیاسی و سماجی حالات ظلم و ستم، زور زبردستی، استحصال، شیطنت اور حیوانیت کے حلاف ببانگ دہل آواز بلند کرتے ہیں۔ ان کا نثری اسلوب اتنا شاندار اور دل کش ہے کہ وہ اپنی بات اپنے قارئین تک پہنچا سکتے ہیں، مگر حد درجہ الجھی ہوئی اور تجرباتی تکنیک استعمال کر کے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ان کے ناولوں کا مطالعہ کر کے اس کو سمجھنا عام لوگوں کے بس کا روگ نہیں ہے۔ ایک عام قاری جزوی طور پر سمجھ سکتا ہے مگر وہ بھی مرعوب ہو کر رہ جاتا ہے۔ دراصل انور سجاد اپنی بات کو کہنے کے لئے الجھی ہوئی تکنیک کا سہارا لیتے ہیں اور اس کی پروا نہیں کرتے کہ عام قاری ان کے پیش کردہ پیغام کو سمجھ سکے اور اس کا لطف لے سکے۔

اردو میں بیشتر تاریخی ناول قدیم داستانوی طرز پر لکھے گئے ہیں جس وجہ سے یہ زندگی سے جڑ نہیں پائے اور ان کی ادبی حیثیت بلند نہیں ہو پائی۔ اس اعتبار سے قرۃ العین حیدر کا ناول آگ کا دریا ایک مثالی تاریخی ناول کہا جا سکتا ہے۔ یہاں گذرے ہوئے زمانہ کی تہذیبی میراث اور فکری سرمایہ سے ان کا رشتہ کسی قدامت پسندانہ ذہنی رویہ کا ثبوت فراہم نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے برخلاف وہ بیتے دنوں کی روشنی میں موجودہ زمانہ کو پرکھ کر ساز گار اور خوشگوار بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ قاضی عبد الستار اور عزیز احمد نے بھی اپنے تاریخی ناولوں میں زندگی کے وسیع تہذیبی اور انسانی رشتوں کو پیش کیا ہے۔ قاضی عبد الستار نے اپنے ناول دارا شکوہ میں ہند و پاک کی تاریخ کے ایک خاص چوراہے پر رک کر حالات و واقعات کی صداقت پسندانہ مصوری کی ہے اور انسانی نفسیات اور انسانی رشتوں کے کئی گوشے منور کیے ہیں۔

جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں عزیز احمد کا ایک اہم ناول ہے۔ اس میں امیر تیمور کی سوانح حیات کو ایک کامیاب حکمراں کی جگہ ایک عام انسان کی طرح پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی گئی کوشش کی ہے کہ ایک انسان جو بچپن سے جوانی تک کا سفر طے کر کے ضعیفی کو پہنچ جاتا ہے اس وقت وہ انسان نرم دل سنجیدہ اور معلم اخلاق بن جاتا ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے بچپن اور جوانی کا تصور کرتا ہے جس سے وہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ناول نگار نے ان عوامی تہذیب و تمدن اور طاقتوں کی نشان دہی کی ہے جو قدیم ایشیا کی تاریخ کو نئی راہ دکھا رہی تھیں۔

آزادی کے بعد ہند و پاک میں معاشی، سیاسی، ادبی، تعلیمی اور دیگر شعبوں میں تبدیلی رونما ہوئی خاص طور سے ادب کو اس سے کافی نقصان ہوا۔ فسادات کے شکار لوگ ہجرت کی مصیبت و مسائل سے دوچار تھے یہ بہت نازک دور تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ دستور زباں بندی تھی۔ بہر حال اس ہیجانی صورت حال نے عرصہ دراز تک ادیبوں کو ذہنی تعطل کا شکار بنائے رکھا۔ یعنی تحریری شکل میں اپنے ذہنی اظہار خیال سے محروم رہے۔ جو ناول لکھے بھی گئے وہ وقتی رد عمل کے طور پر لکھے گئے اور جذباتیت کے شکار تھے۔ اس زمانہ میں عام لوگوں کے علاوہ ادیبوں کے ساتھ کیا دقت اور دشواریاں پیش آئیں کہ خاص طور سے ترقی پسند ادب ایک موج خوں سے گذر گیا۔ حالات ساز گار ہوئے تو تخلیقی تحریک میں خوب ناول لکھے گئے انہیں دنوں ترقی پسند ادیبوں نے ہی ناولٹ کو خاص طور سے فروغ دیا۔ لوگ زیادہ سے زیادہ اپنے کاروبار اور ملازمت میں مصروف رہنے لگے۔ ناول میں قصہ کردار اور سماج کے بڑے اور پیچیدہ مسائل کی بحث ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ناولٹ میں موضوع، مواد اور فضا موجود ہوتی ہے۔ ان چند نتیجہ خیز حقائق کو چند کرداروں کے توسط سے پلاٹ کو سنوارا جا سکتا ہے۔ ماحول اور فضا بنانے کے لئے جزئیات اور تفصیلات کی کسی قدر کم ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ناولٹ افسانہ کے پھیلاؤ اور ناول کے اختصار کی

درمیانی صورت ہے۔ اس میں عمل اور وحدت کا تاثر لازمی نہیں بلکہ قصہ کی وحدت اور گہرائی لازمی ہے تا کہ بنیادی باتیں جو کچھ مصنف کہنا چاہتا ہے وہ کہنے میں کامیاب ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کے مقابلے میں ناولٹ کی تخلیق کے لئے تخلیقی اور تعمیری لیاقت کی ضرورت ہوتی ہے یہی خاص بات ہے کہ اس عہد میں ناولٹ کو اہم شہرت ملی اس مقصد کے تحت چند افسانہ نگاروں نے اپنی کہانیوں کو طول دینا شروع کیا۔ مثلاً، ایک چادر میلی سی (راجندر سنگھ بیدی)، ہاؤسنگ سوسائٹی (قرۃ العین حیدر)، دل کی دنیا (عصمت چغتائی)، چڑھتا سورج (ابوالفضل صدیقی)، ایک معمولی لڑکی (بلونت سنگھ) جگنو اور ستارے (جیلانی بانو)، بے جڑ کے پودے (سہیل عظیم آبادی)، رگ سنگ (انور سجاد) وغیرہ اہم ناولٹ کے طور پر سامنے آئے۔

جوگندر پال اور قاضی عبد الستار نے بھی جو چند ناولٹ تحریر کیتے ہیں انہیں پڑھ کر معلوم ہو تا کہ اس دور کے ناولٹ فنی نقطۂ نگاہ سے ناول سے حد درجہ قریب دلکش اور دلچسپ ہی۔ ان کے کردار اور پلاٹ کی تعمیر اور کرداروں کی پیشکش ڈرامائی ہے۔ اس کے علاوہ حالات حاضرہ میں عام انسان سماجی زندگی میں جس کشمکش کے مراحل سے گذر رہے ہیں اس کی عکاسی اس عہد کے ناول کے بجائے ناولٹ میں زیادہ ہوئی ہے۔ قدیم نواب، شرفا اور سرمایہ دار طبقہ کا زوال، صنعتی انقلاب سے پیدا شدہ نتائج، یعنی نئی بیداری، عشق و محبت کے نئے تصورات، جدید و قدیم خاندان یا رواج کا جھگڑا، اونچ نیچ اور بڑے چھوٹوں کے مابین محبت کا فقدان، انسانی جذبات کی خرید و فروخت اور اس نوعیت کی اور بھی دیگر حقائق کی بے تعصب تصویریں اس عہد کے اردو ناولٹ میں نمایاں نظر آتی ہیں۔ یہ بات قابل ستائش ہے مگر دوسری طرف ایسے سنجیدہ اور اہم ناول تخلیق ہوئے ہیں جس میں موجودہ دور کے سماجی مسائل کی کشمکش عیاں نظر آرتی ہیں۔ مثلاً معصومہ (عصمت چغتائی)، سمن (رضیہ سجاد ظہیر)، اپنی اپنی صلیب (صالحہ عابد حسین) اور ایوان غزل (جیلانی بانو) محتاج تعارف نہیں۔ جیلانی بانو خاتون ناول نگار ہیں اس میدان میں ان کی اپنی ایک شناخت ہے جس کی وجہ سے وہ جانی جاتی ہیں۔ انہوں نے اپنے ناول میں حیدر آبادی کی سرمایہ دارانہ نظام کے زوال کی کہانی تیکھے و تند احساس اور گہرے سماجی شعور کی روشنی میں قلم بند کیا ہے۔ وہ اس نظام میں ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہیں۔ ساتھ ہی موصوفہ محنت کش دہقانوں کے باغی ذہن اور انقلابی طاقتوں کی وکالت کرتی ہیں جس کی گرج کڑک، شور، ہنگامہ، آزادی کے بعد سنائی دیتی ہے۔ اور درمیانہ طبقہ کی عورتوں کے بچپن، دوشیزگی، شباب کا دلچسپ افسانہ اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے۔ مگر ان کا کردار ایوان غزل کی کائنات سے باہر کم دکھائی دیتا ہے اور جو باہر ہو جاتے ہیں وہ قیصر کی طرح لوٹتے نہیں ہیں کہ اپنے انقلابی لڑائی کی داستان سنا سکیں۔ ناول میں کرداروں کی زیادتی کی وجہ سے کہانی پیچیدہ بھی ہوگئی ہے۔ اس کے باوجود اپنی وسعت نظر، غیر معمولی فہم و ادراک، تجربہ، احساس وغیرہ کی بنیاد پر اردو ناول کو چاند اور غزل جیسے دو محبوب اور لازوال کردار خلوص و بے لوث محبت کے ساتھ فراہم کر دیے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترقی پسند تحریک کے بعد بھی اردو ناول اور ناولٹ نہ صرف یہ کہ خاصی تعداد میں لکھے گئے بلکہ ان میں مختلف تجربے بھی کئے گئے جنھوں نے اردو ادب کے دامن کو اور وسعت دی۔